رسائل و مسائل

والدین کے حقوق

سوال: ہمارے حلقۂ احباب میں چند مسائل کے متعلق بحث و اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ براہ کرم ان کی صحیح حقیقت سے آگاہ کریں۔ مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) کیا حدیث میں یہ مذکور ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنی ماں کی جانب منسوب کیے جائیں گے؟ بعض اصحاب والدہ کی فضیلت اور اس کے حقوق کے سلسلے میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

(۲) کوئی باپ اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کر دے تو کیا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا؟ اور کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث ہے اور وہ اپنے آپ کو معاف کر سکتا ہے؟ جن جرائم کا حقوق العباد سے تعلق ہے، کیا ان کے بارے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ جس فرد کی جان یا مال پر دست درازی ہوئی ہے، اگر وہ معاف کر دے تو حق مارنے والے سے باز پرس نہ ہوگی؟

(۳) ماں باپ کی اطاعت کن کن امور میں اولاد پر جائز اور فرض ہے؟ کیا والدین کے حکم سے کوئی بیٹا شرعاً مجبور ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے؟

جواب - (۱) اس امر میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے والدین کے حقوق و واجبات پر بہت زور دیا ہے، ان سے حُسنِ سلوک کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق بیان کیے ہیں ـــــــــــ بعض صحیح احادیث میں جہاں والدین سے صلۂ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، وہاں ایک یا دو مرتبہ پہلے والدہ کا ذکر ہے اور اس کے بعد والد

کا ذکر ہے۔ لیکن جس مضمون کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے یہ کسی صحیح اور مستند حدیث میں وارد نہیں ہے۔ اگرچہ بعض حدیث کے مجموعوں میں ایک روایت اس طرح کی مذکور ہے لیکن محدثین اور فنِ رجال کے ماہرین کے نزدیک یہ غیر صحیح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: یُدعی الناسُ بامہاتہم یوم القیامۃ ستراً من اللہ علیہم (قیامت کے روز لوگوں کو ان کی ماؤں کے نسب سے پکارا جائے گا تاکہ اللہ کی جانب سے ان کی پردہ داری ہو)۔ امام ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں اگرچہ بہت سی ان احادیث کو موضوعات سے خارج قرار دیا ہے جن پر ابن جوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، لیکن اس روایت کو تعقبات، باب البعث میں ابن عدی کے حوالے سے منکر ہی لکھا ہے۔ منکَر اس ضعیف روایت کو کہا جاتا ہے جس کا راوی فحش غلطی، شدید غفلت یا فسق و فجور کا مرتکب ہو۔

والدین اور بالخصوص والدہ کے اکرام و احترام پر دلالت کرنے والی واضح نصوص جب کتاب و سنت میں موجود ہیں، تو اس کے بعد ایسی منکر یا موضوع روایت کا سہارا لینے کی کیا حاجت ہے جس سے ماں کی افضلیت کا کوئی خاص پہلو نہیں نکلتا اور جو قرآن مجید (سورۂ احزاب) کی اُس آیت سے بھی مطابقت نہیں رکھتی جس میں لوگوں کو ان کے باپوں کے نسب سے پکارنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ فقہاء کی اکثریت اس امر کی قائل ہے کہ باپ اولاد کو قتل کرے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن یہ اس بنا پر نہیں کہ باپ بیٹے کا وارث یا ولیٔ قصاص ہے اور وہ چاہے تو اپنے آپ کو معاف کر دے۔ اپنے جرم پر اپنے آپ ہی کو قابلِ معافی قرار دینے کا تصور بالکل لغو ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ہر شخص جو مقتول کا وارث بن سکتا ہو یا مطالبۂ قصاص کا قانونی حق رکھتا ہو، وہ اگر خود ہی قاتل ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن یہ اس بنا پر نہیں کہ باپ بیٹے کا وارث یا ولیٔ قصاص ہے اور وہ چاہے تو اپنے آپ کو معاف کر دے۔ اپنے جرم پر اپنے آپ ہی کو قابلِ معافی قرار دینے کا تصور بالکل لغو ہے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ہر شخص جو مقتول کا وارث بن سکتا ہو یا مطالبۂ قصاص کا قانونی حق رکھتا ہو، وہ اگر خود ہی قاتل ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا

جاسکتا۔ باپ کو اولاد کے قتل کرنے پر قصاص سے صرف اس وجہ سے مستثنیٰ سمجھا گیا ہے کہ اس کے حقوق اولاد پر بے حد و حساب ہیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک صحابی اور اس کے بیٹے کی ناچاقی کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا: اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ (تو اور تیرا مال و متاع سب تیرے والد کا ہے)۔ ایک دوسری حدیث میں اولاد کو والدین کی کمائی میں شمار کیا گیا ہے۔ اولاد کے بالمقابل والدین کی اس غیر معمولی مرتبت و منزلت کی بنا پر یہ استنباط کیا گیا ہے کہ والدین سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ اگر والد اولاد کو ناحق قتل کرے تو عنداللہ بھی اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

والدین کے ماسوا دوسرے اعزہ جنہیں وراثت یا قصاص کی ولایت اور مطالبے کا حق پہنچتا ہے وہ اگر خود اپنے مورث کے قاتل ہوں تو وارث ہونے کے باوجود ان سے قصاص لیا جا سکتا ہے اور اگر محض ورثہ حاصل کرنے کے لیے انہوں نے قتل کا ارتکاب کیا ہو تو وہ ارشادِ نبوی کے مطابق محروم الارث بھی قرار پائیں گے۔

اسلامی شریعت کا یہ اصول بھی ہرگز نہیں ہے کہ جن جرائم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، ان میں اگر مظلوم یا اس کا ولی معاف کر دے تو ریاست ظالم یا مجرم سے مواخذہ نہیں کر سکتی۔ بہت سے جرائم جن کا تعلق انسان کی جان، مال یا آبرو سے ہے وہ حکومت کی دست اندازی کے قابل اور احتساب کے لائق ہیں اور وہ فریقین کے مابین قابل راضی نامہ بھی نہیں۔ مثال کے طور پر زنا، چوری یا ڈاکہ ایسے جرائم ہیں جن پر ریاست ہر حال میں گرفت کرے گی اور سزا دے گی کیونکہ انفرادی قتل تو بسا اوقات ذاتی پرخاش یا وقتی محرکات پر مبنی ہو سکتا ہے جس میں مقتول کے ورثا اگر دیت یا عفو و درگزر پر راضی ہو جائیں تو مزید انتقامی کارروائی، خونریزی اور فساد کا سدِ باب ہو سکتا ہے، لیکن مذکورۂ بالا اجتماعی جرائم کی نوعیت ایسی ہے جن میں نرمی یا چشم پوشی برتنے سے مزید شر اور فتنوں کے پھیلنے کا امکان قوی ہو جاتا ہے۔ قتل میں بھی اگرچہ مقتول کے اولیاء دیت لے لیں یا معاف کر دیں تو قصاص کی سزا تو نافذ نہ ہوگی، لیکن بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ اولیاء کے راضی ہو جانے کے باوجود اگر اسلامی حکومت یہ

سمجھے کہ فتنہ و فساد کے اسباب کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لیے قاتل کو کچھ تادیب و تعزیر ضروری ہے، تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو افعال خدا و رسول کے نزدیک ممنوع یا مذموم ہیں ان میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، بقیہ امور میں والدین کی اطاعت جائز و مستحسن بلکہ اکثر حالات میں لازم ہے۔ جہاں تک باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینے کا سوال ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ بیٹا صرف اسی صورت میں طلاق دے، جب کہ والد کا حکم کسی مصلحت شرعی پر مبنی ہو، ورنہ ناحق طلاق خدا کی نگاہ میں بہر حال ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ دراصل یہ مسئلہ آغاز میں اس طرح پیدا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے طلاق دے دی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ ہر باپ حضرت عمرؓ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ ایک جلیل القدر صحابی رسول اور صاحبِ اتقاء انسان تھے۔ ان کی پاکیزہ زندگی اور بے مثال سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے بجا طور پر یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس خواہش کا اظہار کسی معقول علت اور دینی مصلحت ہی کے تحت کیا ہو گا جس کی وضاحت مناسب یا ضروری نہ ہو گی اور حضرت ابن عمرؓ نے اسی اعتماد کی بنا پر آپ کا کہا مان لیا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے وجہ بیان کر دی ہو مگر وہ آگے نقل ہونے سے رہ گئی ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک باپ جب چاہے، اپنے بیٹے سے بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور بیٹے کے لیے اس کی تعمیل کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

لوہے کی انگوٹھی کا جواز و عدمِ جواز

سوال:- "آئین" (۳۰ ستمبر ۱۹۶۶ء) لاہور میں لوہے کی انگوٹھی کے جواز اور عدم جواز کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں یہ منقول ہے کہ اس کی حرمت کا کوئی حکم قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس کے اوپر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔

اس جواب پر مجھے تو اطمینان نہیں ہوا۔ مشکوٰۃ ، باب الخاتم، صفحہ ۳۷۸، حضرت بریدہؓ سے مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل علیہ خاتم من شبہ مالی اجد منک ریح الاصنام فطرحہ ثم جاء وعلیہ خاتم من حدید فقال مالی اری علیک حلیۃ اھل النار فطرحہ فقال یا رسول اللہ من ای شیئ اتخذہ قال: من ورق (رواہ الترمذی وابوداؤد)

مؤطا امام محمد صفحہ ۷۰ ، پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ نوٹ بھی قابل توجہ ہے۔

قال محمد وبھذا ناخذ لا ینبغی للرجل ان یتختم بذھب ولا حدید ولا صفر ولا یتختم الا بالفضۃ۔

میرا خیال یہ ہے حدیث کی رُو سے قطعی حرمت تو سونے کی انگوٹھی کے لیے ہے، تاہم لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی ناجائز اور مکروہ ضرور ہے۔ مردوں کے لیے صرف چاندی کی انگوٹھی کی اجازت ہے، جیسا کہ امام محمد کی رائے ہے۔

جواب: اس امر میں فقہاء ومحدثین کا کامل اتفاق ہے کہ چاندی کی انگوٹھی مرد اور عورت کیلئے اور سونے کی انگوٹھی صرف عورت کے لیے جائز ہے۔ لوہے اور دوسری دھاتوں کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔ لیکن صحیح تر مسلک یہ ہے کہ مرد کے لیے حُرمت صرف سونے کے زیور کی ہے اور جہاں تک لوہے کی انگوٹھی کا تعلق ہے اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ آپ نے ترمذی اور ابوداؤد کی جو حدیث نقل کی ہے، اس میں اگرچہ لوہے کی انگوٹھی کو دوزخیوں کا زیور کہا گیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ بخاری اور مسلم میں صحیح احادیث موجود ہیں جن میں ایک صحابی کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کی فراہمی کی ہدایت اس طرح کے الفاظ میں فرمائی تھی کہ تم مہر کا انتظام کرو خواہ وہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق میں الفاظ یہ ہیں: انظر ولو خاتما من الحدید۔

امام بخاری بھی کتاب النکاح کے متعدد ابواب میں اس حدیث کو لائے ہیں۔ مؤطا امام مالک، کتاب النکاح، باب یصلح جہراً ما یصلح تمنًا میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔ وہاں فالتمس ولو خاتما من حدید کے الفاظ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث مستند ہیں، اور ان کے بالمقابل دوسری روایات بہت کمزور ہیں۔ ترمذی کی روایت کو امام ترمذی نے غریب لکھا ہے۔ اس کے ایک راوی عبداللہ بن مسلم مروزی پر محدثین نے جرح کی ہے۔ امام خطابی نے معالم السنن، شرح ابی داؤد میں اس حدیث کی تشریح میں اس راوی کے متعلق ابوحاتم رازی کا یہ قول نقل کیا ہے: یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ (اس راوی کی حدیث لکھی جاسکتی ہے مگر قابلِ حجت نہیں)۔ لوہے کی انگوٹھی سے متعلق صحیحین کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی تحریر فرماتے ہیں: وفی ھذا الحدیث جواز اتخاذ خاتم الحدید وفیہ خلاف للسلف ولاصحابنا فی کراھتہ وجھان، اصحھما لایکرہ، لان الحدیث فی النھی عنہ ضعیف وقد اوضحت المسئلۃ فی شرح المھذب (اس حدیث کی رُو سے لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور اس معاملے میں سلف میں اختلاف ہے۔ اس کی کراہت کے بارے میں اصحاب الحدیث کی دو رائیں ہیں جن میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس کی نہی سے متعلق حدیث ضعیف ہے اور میں نے اس مسئلے کو شرح مہذب میں واضح کر دیا ہے)۔

مؤطا امام محمدؒ کی جس حدیث کا حوالہ آپ نے دیا ہے، اس کا مضمون ایسا نہیں ہے جس سے مرد کے لیے چاندی کے ماسوا ہر دھات کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔ اس میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے سونے کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور صحابہ کرام نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ زیادہ قرین قیاس امر یہی ہے کہ صحابہ کرام نے جو انگوٹھیاں اتاری تھیں وہ بھی سونے کی ہونگی۔ اس کی تائید و توضیح دوسری احادیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے سونے کی انگوٹھی کچھ عرصہ تک پہنی تھی، جسے دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی سنہری انگوٹھیاں

(باقی ص ۲۷۰ پر)

(بقیہ رسائل و مسائل) پہننا شروع کر دی تھیں لیکن آپ نے جب اسے اتار دیا تو صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں اُتار دیں۔ مُسند احمد میں ایسی متعدد روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے: اتخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتما من ذھب . . . فاتخذ الناس خواتیم الذھب فقال انی کنت البس ھذا الخاتم وانی لن البسہ ابداً فنبذہ فنبذ الناس خواتیمھم

جہاں تک لوہے کی انگوٹھی کا تعلق ہے، اس کے استعمال کا صریح جواز بعض دوسری احادیث سے بھی نکلتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خاتم مبارک کے متعلق ابوداؤد، باب خاتم الحدید میں یہ الفاظ موجود ہیں: کان خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلّم من حدید ملویّ علیہ فضۃ (نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی چڑھائی گئی تھی)۔ یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر و لحاظ ہے کہ موجودہ زمانے میں فولاد STAINLESS STEEL جس سے بالعموم انگوٹھیاں بنائی جاتی ہیں یہ متعدد آمیزشوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس لیے مجرّد لوہے کی انگوٹھی کو اگر مکروہ قرار دیا بھی جائے تب بھی جو انگوٹھیاں سونے کے ماسوا لوہے اور دوسرے مرکبات سے تیار کی جاتی ہیں، ان کے استعمال کی ممانعت کسی مضبوط دلیل پر مبنی نظر نہیں آتی۔ (غ - ع)